ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اقبال اور ایرانی اُدَبا

یہ موضوع خاصا تفصیل طلب ہے۔ مجلہ "المعارف" کی گنجائش کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی صرف ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

اگرچہ پاکستان بننے سے قبل بھی ایران میں حضرت علامہ پر کچھ نہ کچھ لکھا گیا لیکن آزادی کے بعد ان پر وہاں خاص توجہ ہوئی۔ اس عرصے میں شعراء، ادباء اور دانش مندوں اور سیاست دانوں نے ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور کہا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل ایران کے جس ادیب نے سب سے پہلے علامہ سے خط و کتابت کی وہ سعید نفیسی مرحوم تھے اور سب سے پہلے وہاں کی جس انجمن میں علامہ کا ذکر چھڑا وہ "انجمن فرہنگی ایران و ہند" تھی۔ اسی انجمن میں مرحوم ملک الشعراء بہار نے علامہ کے متعلق اپنا ایک منظوم مقالہ پڑھا تھا، جس میں انھوں نے علامہ اقبال کے مقام و مرتبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دورِ حاضر کو "خاصۂ اقبال" کے نام سے یاد کیا تھا۔ بہرحال وہاں کے ادبا و شعرا میں علامہ کی صحیح مقبولیت و شہرت کا آغاز ۱۹۴۸ء سے ہوتا ہے۔ اس سال ایران کے مشہور ادیب مجتبیٰ مینوی نے "اقبال لاہوری" کے نام سے ایک مختصر سی کتاب لکھی۔ اس کتاب نے اقبال کو ایران کے دانش ور اور تعلیم یافتہ طبقوں میں روشناس کرایا۔ پھر ۱۹۵۰ء میں پاکستانی سفارت خانے نے وہاں پہلی مرتبہ یوم اقبال منایا۔ ایران کے ملک الشعرا بہار مرحوم نے اس تقریب کی صدارت کی۔ ان کی صدارتی تقریر اقبال سے متعلق ان کے جذبات کا آئینہ دار تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ:

(ترجمہ) "میں اقبال کو اسلامی مجاہدین، علما اور ادبا کی نو سو سالہ جدوجہد کا نقطۂ عروج اور نچوڑ جانتا اور اسی داستان کا پکا ہوا میوہ سمجھتا ہوں۔"

ایران میں علامہ کی عمومی شہرت میں خواجہ عبد الحمید عرفانی صاحب کا خاص ہاتھ ہے۔ خواجہ صاحب فارسی بول چال سے بخوبی آگاہ اور فارسی کے شاعر ہیں۔ وہ جب پاکستانی سفارت خانے میں پریس

اتاشی ہو کر گئے تو انھوں نے وہاں اس سلسلے میں بہت کام کیا۔ خواجہ صاحب نے ۱۹۵۶ء میں ضربِ کلیم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ سعید نفیسی مرحوم نے اس کے مقدمے میں لکھا کہ:

(ترجمہ) آج ایران میں کیا پیر و جوان اور کیا زن و مرد سبھی پاکستان کے عظیم شاعر محمد اقبال سے پورے طور پر شناسا ہیں اور ہر شخص کی زبان پر ان کا نام اور ہر گھر میں ان کا کلام موجود ہے۔"

نفیسی مرحوم حضرت علامہ کے نظریۂ خودی کے بے حد معترف تھے۔ علامہ پر ان کے کئی مقالات ہیں جنھیں بہت شہرت نصیب ہوئی۔ ان کے ایک مقالے سے مختصر اقتباس ملاحظہ ہو:

"این خورشید فروغ بخش جہانفروز محمد اقبال شاعر بزرگ پاکستان وارث نہصد سالہ سنن ادبی زبان فارسی در ہند و پاکستان است۔"

"یہ روشنی بخشنے والا جہاں فروز سورج یعنی پاکستان کا شاعرِ بزرگ محمد اقبال برصغیر پاکستان و ہند میں فارسی زبان کی نو سو سالہ ادبی روایات کا وارث ہے"۔

آقائے علی دشتی ایران کے ایک سیاست دان، مشہور ادیب و عالم ہیں۔ ایرانی شعرا پر ان کی کئی کتب خاص شہرت کی حامل ہیں۔ ایک موقع پر جب بیروت میں یوم اقبال منایا گیا تو دشتی وہاں ایران کے سفیرِ کبیر تھے، انھیں بھی اس تقریب میں مدعو کیا گیا۔ وہاں انھوں نے عربی میں تقریر کی، جس کے ایک اقتباس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"اقبال کی عظمت ان کے اشعار کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ وہ ایک پُرجوش اور متلاطم روح کے مالک تھے۔ کارلائل نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر رائے عامہ پوچھی جائے کہ ہندوستان، انگلستان کا حصہ بنے یا شیکسپیئر، تو پوری انگریز قوم مؤخر الذکر کو ترجیح دے گی۔ اس لیے کہ ہر قوم اپنے لیے کسی سامان افتخار و ستائش کی خواہش مند ہوتی ہے۔ پھر بھلا اہل پاکستان کے لیے اقبال جیسے مردِ شائستہ سے بڑھ کر اور کون (سامانِ افتخار) ہو سکتا ہے، جو آج ایران میں قابلِ احترام سمجھا جاتا ہے اور آئندہ پوری دنیا میں قابلِ احترام گردانا جائے گا، اور گویا اقبال نے خود ہی یہ محسوس کر لیا تھا، چناں چہ ان کا یہ شعر اس کا شاہد ہے،

نوائے من بہ عجم آتشِ کہن افروخت　　عرب ز نغمۂ شوقم ہنوز بے خبر است

(میری نوا نے ایران میں قدیم آگ کو روشن کر دیا ہے لیکن عرب ابھی میرے نغمۂ عشق سے بے خبر ہے)

بہت عرصہ پہلے کی گئی آقائے دشتی کی پیش گوئی پوری ہو چکی ہے۔

جناب تقی زادہ ایران کے محب وطن اور روشن فکر سیاست دان ہونے کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی حلقوں میں بھی ایک بلند مقام کے حامل ہیں۔ وہ ان ادبا میں سے ہیں جنھوں نے فارسی زبان کو اصل حالت میں رکھنے پر زور دیا ہے۔ انھوں نے ایک موقع پر اپنی تقریر میں اقبال سے متعلق اپنے جذبات و احساسات کا اظہار اس طرح کیا۔

(ترجمہ): میں شروع ہی سے اس صاحب افکار کے بنیادی عقیدے:

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا — مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

سے کچھ نہ کچھ بہرہ ور ہوں اور اسلامی ممالک کے قرب و اتحاد کا خواہش مند ہوں۔ عالم اسلام کے اتحاد کا سیاسی عقیدہ کلی طور پر علامہ اقبال سے پہلے کی پیداوار ہے اور یہ عقیدہ بھی زیادہ تر برصغیر ہی کے مسلمانوں میں اشاعت پذیر ہوا اور اس کے بڑے پرجوش حامی پیدا ہوئے جن میں سید جمال الدین افغانی سر فہرست ہیں۔ ... تاہم اقبال کے جوش و ولولہ اور تاثیر نفس نے اس عقیدے کو نہ صرف ایک زبردست زندگی اور رونق بخشی بلکہ اسے ایک نئے قالب میں ڈھالا اور اب بھی یہ تحریک پاکستان میں مستقل طور پر آگے بڑھ اور پھیل رہی ہے ... اقبال کی کوششیں کہ مسلم اقوام کے درمیان ہر قسم کے جاہلانہ اور کوتہ نظرانہ تعصبات مٹائے جائیں اور اسلامی اتحاد کے عقائد اور اسلامی ممالک میں زیادہ سے زیادہ قربت و یگانگت پیدا کی جائے، نہایت پسندیدہ اور لازم ہیں، اور اس کی آرزو تک پہنچنے کے لیے کہ عالم اسلام کا مرکز جنیوا کی بجائے تہران ہو، اس کے ابتدائی اقدامات کی کوشش بہر صورت مفید ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ تحریک مسلسل زور پکڑے گی اور اقبال کی روح اور بھی خوش ہوگی۔"

۱۹۶۳ء میں مشہد میں بھی یوم اقبال منایا گیا۔ مشہد یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر اسماعیل بیگی اس تقریب میں مہمان خصوصی تھے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں علامہ کو ان الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا۔

(ترجمہ): ایسا کم ہی اتفاق ہوا ہے کہ ایک شاعر بزرگ، عظیم فلسفی اور قانون دان بزرگ اپنی قوم کے احترام و اکرام کا اس قدر مورد ٹھہرے کہ اس کی یاد میں سرکاری طور پر تعطیل منائی جائے اور تمام روئے زمین پر جہاں جہاں بھی اس قوم کے افراد ہوں، وہ اکٹھے ہو کر اس کی یاد میں مجالس برپا کریں اور ان علاقوں کے لوگوں کو بھی ان میں شریک کریں۔ محمد اقبال لاہوری ایک ایسی شخصیت ہیں جو اس سلسلے میں دنیا میں اپنی

مثال نہیں رکھتے۔ اقبال ایران و پاکستان کے درمیان تعلقات کی ترجمانی کی سب سے بڑی کڑی ہیں۔ بلکہ جرأت کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقبال لاہوری اور ان کے اشعار و افکار ہم ایرانیوں اور پاکستانیوں کے درمیان ایک اہم وجہ اشتراک ہیں۔"

شجاع الدین شفا اس دور کے صاحبِ طرز اور اعلیٰ پائے کے ادیب ہیں۔ انھوں نے علامہ کی تصانیف پر جو تبصرہ کیا ہے، وہ اپنے اختصار کے باوصف ایک اہمیت اور اعتراف عظمتِ اقبال کا حامل ہے بلفظہ

(ترجمہ): عصرِ حاضر میں اقبال مرحوم کی تصانیف جو معجز آسا اور انقلاب انگیز ہیں، نہایت عمدہ انداز میں مثنوی مولانا روم کے معنوی نفوذ اور ان کی زبان کی تاثیر کی نشان دہی کرتی ہیں۔

"انجمن ادبی ایران و پاکستان" ایران کے صدر اور مشہور شاعر و ادیب ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی نے حضرت علامہ کو اسلام کے "مبلغانِ گرامی" اور مشرق کے "مفکرانِ نامی" میں سے قرار دیا ہے۔

آقائے احمد مصدق نے "افکار انقلابی علامہ اقبال" کے عنوان سے مضمون لکھا، جس میں ایک جگہ انھوں نے اس طرح اظہارِ خیال کیا۔

(ترجمہ): "آغاز میں ادبی رسالوں اور اخباروں میں اقبال کے نام سے چھپے ہوئے اشعار کبھی کبھار میری نظر سے گزرتے تو میں یوں ہی پڑھ کر آگے گزر جاتا کہ یہ بھی کوئی ایسا ویسا شاعر ہوگا، لیکن وہی بات کہ چاند ہمیشہ بادلوں میں نہیں چھپا رہتا، جلد ہی میں اس عظیم انسان سے شناسا ہو گیا ـــ میں اقبال کو شاعر، فلسفی، دانش مند، عارف اور ادیب سے قبل عصرِ حاضر کا ایک مردِ انقلابی جانتا ہوں۔"

۲۹ اپریل ۱۹۶۲ء کو ملتان میں یوم اقبال منایا گیا۔ اس تقریب کی صدارت پاکستان میں ایران کے سفیرِ اعلیٰ نے کی۔ انھوں نے علامہ کی شاعری پر مختصر تقریر کی اور آخر میں بتایا کہ اقبال ایرانیوں کے یہاں بھی بے حد مقبول ہیں اور دورِ حاضر کے تمام ممتاز شعرا و ادبا ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

مجتبیٰ مینوی مرحوم کا ذکر اس سے قبل بھی ہو چکا ہے۔ انھوں نے علامہ پر اپنے ایک مضمون میں لکھا:

(ترجمہ): جب تک میں نے محمد اقبال کی تصنیفات و تالیفات کا مطالعہ نہیں کیا تھا، میں یہ نہیں جانتا کہ آخر برصغیر کے مسلمان اقبال کے بارے میں اس قدر زیادہ مبالغے سے کام کیوں لیتے ہیں، لیکن اب میں نے اقبال کی تصانیف دیکھ لی ہیں، میں انھیں اس سلسلے میں حق بہ جانب جانتا ہوں، یعنی وہ مبالغے سے کام نہیں لے رہے، اور اس کے متعلق ان کا اعتقاد بجا ہے۔ اقبال صاحبِ قدرت شاعر، بلند فکر دانش مند

فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ "اہل کار و کوشش و زندگی" میں سے تھا۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ وہ دوسروں کو بھی عمل و جہد پر آمادہ اور زندگی کی حقیقت سے آشنا کرے۔۔۔۔

"اس کے کلام میں اس قدر قوت و تاثیر ہے کہ ۔۔۔ آج کروڑوں مسلمانانِ برصغیر اُسے "فرستادۂ خدا" نہ جانتے ہوئے بھی اس کا بے حد قدر و احترام کرتے ہیں۔۔۔

"جس وقت میں اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالتا ہوں تو میں یہ دیکھتا ہوں کہ پچھلے سو برس میں ایران میں مسلّم طور پر کوئی ایسی شخصیت نہیں گزری جو من حیث المجموع محمد اقبال کی برابری کے قابل ہو، اور ہوسکتا ہے دوسرے مشرقی ممالک بھی اس سلسلے میں ہماری طرح ہوں۔۔۔"

راقم کے نزدیک ایک عظیم ایرانی استاد و ادیب کی طرف سے یہ خراجِ عقیدت بلاشبہ بہت بڑا خراجِ عقیدت ہے۔ چند برس قبل مرحوم مینوی، اقبال کے سلسلے میں ایک تقریب پر پاکستان تشریف لائے تھے۔ یہاں انھوں نے سینٹ ہال پنجاب یونیورسٹی (لاہور) میں منعقدہ ایک تقریب میں علامہ کی ایک نظم کچھ اس جوش و ولولے کے ساتھ اور پُر سحر انداز میں پڑھی تھی کہ خود حاضرین میں وہ جوش و جذبہ پیدا ہوگیا تھا اور بڑی دیر تک ان کے اس انداز نے سامعین کو اپنے سحر میں جکڑے رکھا تھا۔ خوش قسمتی سے راقم بھی اس تقریب میں موجود تھا۔ یقین کیجیے آج بھی جب وہ منظر یاد آجاتا ہے تو راقم اس سحر میں کھو جاتا ہے۔ بقول شاعر:

ازین دیار گزشتی و سالہا بگزشت ہنوز بوے تو می آید از منازل ما

(اے دوست تجھے اس دیار سے گزرے برسوں ہو چلے ہیں لیکن ابھی تک ہمارے گھروں سے تیری خوشبو آرہی ہے)۔

علامہ کی مذکورہ نظم ان کے مجموعۂ کلام "زبورِ عجم" میں ہے اور اس کا ٹیپ کا بند ہے:

از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز

از خواب گراں خیز!

جناب مطیع الدولہ حجازی عصرِ حاضر کے ایک بلند پایہ افسانہ نویس، ناول نگار اور انشاپرداز ہیں۔ کبھی وہ حیدرآباد دکن تشریف لائے تھے۔ ایک موقع پر ایک دعوت میں شریک ہونے کے لیے جارہے تھے کہ راستے میں قدرتی مناظر نے ان کے دل کے تار ہلا کو چھیڑ دیا اور وہ اپنے وطن کی یاد میں

کھو گئے - ملک غلام محمد مرحوم، جو ان دنوں دکن کے وزیر مالیات تھے، ان کے ہمراہ تھے - انھوں نے یہ کیفیت بھانپ کر ان سے حال پوچھا - انھوں نے ساری بات بتادی - ملک مرحوم نے یہ سُن کر "تبسم محزون" کیا اور کہا کہ کاش آپ ہر جگہ اور ہر کسی کو اپنا دوست اور وطن سمجھتے - حجازی لکھتے ہیں کہ :

(ترجمہ) "میں اس بات سے شرمندہ اور خود سے آزردہ ہوا، کیونکہ میں نے دیکھا کہ مجھ میں اور اس مقام میں برسوں اور کوسوں کا فاصلہ ہے - بہرحال ہم اسی گفتگو میں مصروف تھے کہ ریڈیو کی آواز بلند ہوئی جو میرے دلِ بیمار کے لیے گویا شفا کا حکم رکھتی تھی - یہ فارسی کا پروگرام تھا اور ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کا پُرمغز کلام گایا جا رہا تھا، یعنی ندائے آسمانی تھی جو بہشت آسا منظر کو میرا دوست اور ہم زبان بنا رہی تھی - ہاں! جہاں کہیں بھی کسی کی زبان میں شعر کہے جائیں وہی اس کا گھر اور وطن ہے، جو کوئی بھی ہماری زبان میں شعر کہے وہ ہمارا دوست، محبوب اور ہم وطن ہے . . . "

"... میں (یہاں) لاہور کے فارسی گو شاعر کے کمال و دانش اور روحِ بلند کے بارے میں بات نہیں کروں گا - دوسروں نے ایسی باتیں کہی ہیں اور وہ صحیح طور پر حقِ ستائش بجالائے ہیں - میں اس روان پاک (اقبال) کا شکر گزار ہوں کہ اس نے اس روز اور بعد کے لمحوں میں مجھے برصغیر میں خوش و خرم رکھا، میں ڈاکٹر اقبال لاہوری کا، کہ اس کی روح مسرت و شادمانی سے ہم کنار رہے، سپاس گزار ہوں کہ وہ اپنے بدیع افکار اور فارسی نغز سے ہمارے دوست اور برادر ملک کو، جو زوالِ فارسی کے سبب غیریت کی راہ اپنائے ہوئے تھا، دوبارہ ہماری محبت و دوستی کی راہ پر لے آیا -"

ڈاکٹر پکینہ کاظمی پاکستان تشریف لا چکی ہیں - وہ ایران کی مشہور ادیبہ اور معروف ہستی ہیں - علامہ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک جگہ کہتی ہیں :

(ترجمہ) اقبال کی شاعری میں فارسی شاعری کے مختلف دبستانوں کی پوری زیبائی و رنگینی سمٹ آئی ہے جس وقت ہم اس نامساعد ماحول کو دیکھتے ہیں جس میں اقبال زندگی بسر کر رہے تھے تو اس وقت ان کا فارسی شاعری کی مختلف و متنوع اقسام کو کامیابی سے نبھانا ایک علمی و ادبی معجزہ نظر آتا ہے -

" اقبال کی رباعیات، مثنویات، غزلیات اور اخلاقی و فکاہی قطعات ہمیں نہ صرف عظیم ترین شاعروں اور عارفوں کی یاد دلاتے ہیں بلکہ ان کی عظمتِ معنوی کے سلسلے میں ہمارے اشتیاق و شیفتگی کو دوبارہ بیدار

کرتے ہیں۔ لیکن جو چیز اقبال کی شاعری کو سب سے زیادہ دل پسند، فرح بخش اور روح پرور بناتی اور ان کی مقبولیت میں اضافہ کرتی ہے وہ ان کا ایجاز کلام، اختصار بیان اور طرز ادا اور مضامین کا تنوع و ابتکار ہے۔"

ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا آج کے بہت بڑے محقق اور ادبی مورخ ہیں، علامہ سے متعلق ان کی ایک طویل گفتگو ایران کے ایک اہم اور مشہور مجلہ ہنر و مردم (جو بدقسمتی سے بند ہو چکا ہے، اسی پر کیا موقوف ہے، ایران کے تقریباً تمام ادبی پرچے انقلاب کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں) کے ایک شمارے (اقبال نمبر خصوصی ایران و پاکستان نمبر) میں شائع ہوئی تھی۔ اسے عنوان دیا گیا تھا "اقبال۔ آخرین نقطۂ تکامل فکر اسلامی در ادبیات فارسی"۔ اس گفتگو میں ایک جگہ کہا گیا ہے کہ:

(ترجمہ) اقبال میرے نزدیک محض ایک شاعر ہی نہیں ہے، وہ ایک فلسفی ہے اور فلسفی بھی خوش ذوق، جو اس قدر صاحب قدرت و مہارت ہے کہ اپنے خیالات و افکار کو خاص لطافتوں کے ساتھ اور حسین شاعرانہ پیرایوں میں بیان کر سکتا ہے۔

"اقبال کو روشناس کرانے کے لیے موضوعات و مطالب پیش کرنے کے سلسلے میں اس کے جذباتی زیر و بم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات بذات خود اہم اور قابلِ توجہ ہے۔ وہ بطور شاعر کے ایک ایسا "مردِ گرم" ہے جو "زبان گرم" سے بھی بہرہ ور ہے۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال تھا اور اب بھی بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ چونکہ اقبال ایرانی نہیں ہے اور اس نے فارسی میں شاعری کی ہے، اس لیے ممکن ہے اسے اظہار بیان میں خاصی قدرت و توانائی حاصل نہ ہو، ایسے حضرات کے برعکس میرا عقیدہ یہ ہے کہ اقبال لاہوری آخری ادوار کی فارسی شاعری کا ایک "پایہ" ہے اور وہ بھی معقول فارسی شاعری کا پایہ، جس میں آگاہی، ذوق اور عقل و اعتدال ہے۔ بہرحال اقبال نے اپنی تصانیف سے فارسی ادب کے ذخیرے میں اضافہ کیا ہے۔"

مجلہ "ہنر و مردم" کے اسی شمارے میں ہمیں بعض دیگر ایرانی ادبا کے بھی مضامین نظر آتے ہیں۔ مثلاً رکن الدین ہمایوں فرخ کا مضمون "نظر علامہ اقبال دربارۂ تصوف" کے عنوان سے ہے۔ اس کا آغاز انھوں نے اس عبارت سے کیا ہے:

علامہ محمد اقبال لاہوری یکی از زمرۂ برگزیدگان و پیش وایان است کہ در ہر چند قرن چون ستارہ ی درخشان در آسمان ادب جہان ظہور می کنند و با انوار ملکوتی خود جہان را فروغی نو می بخشند و با انتشار یکا را فکار خود میلیونہا نفر از ابنای بشر را بہ خیر و دوری از شر رہمنون می گردند۔

" علامہ محمد اقبال لاہوری کا شمار ان برگزیدہ شخصیتوں اور رہنماؤں میں ہوتا ہے جو ہر چند صدیوں کے بعد دنیا کے آسمانِ ادب پر ایک درخشاں ستارے کی مانند نمودار ہوتے ہیں، اور اپنے ملکوتی انوار سے دنیا کو ایک نئی روشنی عطا کرتے ہیں - نیز اپنے اچھوتے افکار کی اشاعت سے کروڑوں انسانوں کے حصولِ خیر اور شر سے دوری میں رہنما بنتے ہیں "

رشید فرزانہ پور انقلاب ایران سے قبل ایران کلچر سنٹر لاہور کے ڈائریکٹر تھے - ان کے مضمون کے عنوان " علامہ اقبال - فخر عالم شرق " ہی سے ان کے اعتراف عظمتِ اقبال کا پتا چلتا ہے - ان کا مضمون ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے :

تعظیمی و تکریمی کہ در ہمہ جا از مرحوم دکتر محمد اقبال شاعر و فیلسوف بزرگ می شود یک بار دیگر تایید می کند کہ بزرگان علم و ادب منحصراً بہ زادگاہ خویش تعلق ندارند بلکہ ہمہ جہانیاں آنان را از آنِ خود می دانند و بوجود شان فخر می کنند -

(ترجمہ) عظیم شاعر و فلسفی مرحوم ڈاکٹر محمد اقبال کی ہر جگہ جو تعظیم و تکریم ہو رہی ہے، وہ ایک مرتبہ پھر اس امر کی تائید کرتی ہے کہ علم و ادب کی عظیم شخصیتوں کا تعلق صرف اپنے وطن سے نہیں ہوتا بلکہ تمام اہلِ جہاں انھیں اپنا سمجھتے اور ان کے وجود پر فخر کرتے ہیں "

ڈاکٹر محمد جعفر محجوب محقق و ادیب ہیں اور پاکستان میں کچھ عرصہ مقیم رہ چکے ہیں - انھوں نے علامہ کی شاعری اور خود ان پر مضمون لکھا ہے " نکتہ ہائے دربارۂ علامہ اقبال و شیوۂ شعر او "۔ تہران یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر حسن خطیبی کا مضمون " سبک شعر اقبال " کے عنوان سے شامل مجلہ ہے - یہ دراصل ان کی تقریر ہے جو انھوں نے کسی موقع پر کی تھی - اس تقریر کا آغاز ان الفاظ سے ہوا ہے :

(ترجمہ) میں استاد علامہ محمد اقبال لاہوری کی فارسی تصانیف کے بغور مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ نویں صدی ہجری کے بعد سے اب تک ایران سے باہر کوئی بھی شاعر گوناگوں تصانیف، وسعتِ فکر و اندیشہ اور قدرتِ کلام کے لحاظ سے اس فارسی گو استاد بزرگ کے پایہ کا نہیں گزرا - "

سید غلام رضا سعیدی کا شمار عشاق اقبال میں ہوتا ہے - انھوں نے " اقبال معمار پاکستان " کے عنوان سے لکھا ہے - ایک جگہ وہ لکھتے ہیں :

(ترجمہ) : اگر کبھی انگریز شیکسپیر پر، فرانسیسی لوگ ہیوگو پر اور جرمن گوئٹے پر فخر کریں گے تو اسلامی

معاشرے عموماً اور ایران و پاکستان کا اسلامی معاشرہ خصوصاً اقبال پر فخر کریں گے۔"

تاریخِ بشریت میں اقبال جیسا شاعر اور فلسفی نظر نہیں آتا جو ایسے اعجاز کے ساتھ اپنی ملت کے مقدرات کو اس قسم کا سروسامان دے سکا ہو اور جس نے آٹھ کروڑ سے زیادہ کی آبادی کے لیے آزادی و استقلال کی راہ ہموار کی ہو۔

جیسا کہ شروع میں عرض ہوا اس موضوع پر لکھنے کے لیے اس قدر مواد موجود ہے کہ دو چار ضخیم جلدوں میں بہ خوبی سما سکتا ہے۔ ایرانی ادبا کی ایک طویل فہرست ہمارے سامنے ہے جنھوں نے علامہ پر زبردست مقالات تحریر کیے یا کتابیں لکھیں اور تقریریں کیں۔ ان میں سے بعض کے اسما یہ ہیں: ڈاکٹر مقتدری (سابق وزیر)، ڈاکٹر منوچہر اقبال (سابق وزیرِ اعظم)، جناب عبدالحسین نوائی، ڈاکٹر معین، ڈاکٹر لطف علی صورت گر، جناب صادق نشات، امیر فیروز کوہی، ڈاکٹر حسین خطیبی اور پاکستان میں ایران کے کئی ایک سفیروں کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

ہر چند یہ مضمون بہت تشنہ ہے تاہم یہ بالکل تشنہ رہے گا اگر اس میں مرحوم ڈاکٹر علی شریعتی کا ذکر نہ کیا گیا۔ ڈاکٹر علی شریعتی ایران کے مشہور انقلابی عالم و رہنما سمجھے جاتے ہیں۔ انھیں بھی اقبال سے عشق تھا۔ انھوں نے مختلف مواقع پر علامہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ ان کی ایسی تقاریر (جو انھوں نے زیادہ تر حسینیہ ارشاد تہران میں کیں) کا مجموعہ "ما و اقبال" کے نام سے تہران سے شائع ہو چکا اور اہلِ علم و دانش اور اقبال کے شیدائیوں سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے۔ ڈاکٹر شریعتی مرحوم "پان اسلامزم" کے زبردست داعی و حامی اور اسی بنا پر علامہ کے شیدائی تھے۔ جس انداز میں انھوں نے حضرت علامہ کو اہلِ ایران سے متعارف کرایا، اس کی بدولت حکیم الامت آج پہلے کی نسبت کہیں زیادہ اہلِ ایران کی عقیدت و احترام کا مرجع بن گئے ہیں۔ ڈاکٹر علی شریعتی نے جون ۱۹۷۷ء میں لندن میں وفات پائی۔ جہاں سے ان کی نعش دمشق لے جا کر دفن کی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شاہِ ایران کے خلاف تھے اور شاہ نے انھیں ملک بدر کر رکھا تھا۔ بعض کے مطابق شاہ ہی نے انھیں وہاں آہستہ زہر خورانی سے موا دیا تھا۔ راقم نے ان کی کتاب "ما و اقبال" کا خلاصہ اردو میں ترتیب دیا ہے جو مجلہ اقبال لاہور کی ایک اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔ یہاں اس میں سے چند سطور کی تکرار بے جا نہ ہوگی۔ علی شریعتی تحریر کرتے ہیں:

"علامہ ایک غیر معمولی اور عجیب شخصیت کے مالک تھے، جس نے عصرِ حاضر کے مسلمانوں کو ایک خاص سوچ، فکر، آگہی اور فخر کی دولت عطا کی . . . حضرت علامہ اقبال ایک ایسی درخشاں، دانش مند و فلسفی شخصیت ہیں جنھوں نے انسانی معاشرے کو انسان کی بارور تہذیب و تمدن کا ہدیہ پیش کیا . . . اقبال ایسے آفت زدہ دور میں میدان میں آئے جب اسلام پر کڑا وقت آیا ہوا تھا۔ غم واندوہ سے اسلامیوں کا دل ہر چند طول تھا لیکن بیداری ان کے نزدیک نہ پھٹکی تھی اور مغربی استعمار نے یہاں پنجے گاڑ رکھے تھے۔ اقبال نے نہ صرف اپنی شاعری سے بلکہ اپنے "وجود" سے بھی اس دور کے استعمار زدہ مسلمانانِ عالم میں نئی روح پھونکی۔ . . . اقبال ایک ایسی شخصیت ہے جو ایک روح اور کئی پہلوؤں کی حامل ہے، اور یہ کوئی اتفاقی امر نہیں، روحِ اسلامی ہی ایسی ہے۔ اقبال اس مکتب اسلام کے پروردہ فرزند ہیں۔ وہ بیک وقت فلسفی، سیاست دان، مجاہد، محقق، عارف اور متخصص اسلام بھی ہیں اور شاعر اور مشرقی و مغربی دو تہذیبوں کے حامل بھی۔ . . . وہ اہلِ سنت ہوتے ہوئے بھی اہل بیت کے زبردست مداح ہیں۔ وہ خاندانِ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ایک مخلص عاشق اور باخبر اور بے ریا دیوانے ہیں۔ ان کا یہ بہت بڑا قرض ہے جو ہم اہلِ تشیع کی گردن پر ہے۔ اس عظیم مفکر اور ملتِ اسلامیہ کے بہت بڑے فخر یعنی اقبال کی عظیم خدمات کے مقابلے میں ہم لوگ انتہائی شرمساری کا شکار ہیں کہ ملتِ اسلامیہ اور اہلِ بیت کے عشاق کے طور پر ہمیں اقبال کی عظمت و رفعت اور عظیم خدمات کا جس وسیع انداز میں اعتراف کرنا چاہیے تھا وہ ہم محض غلط قسم کے پروپیگنڈا، بہت زیادہ تعصب آمیز باتوں اور انتہائی غفلت کے سبب نہ کر سکے۔ . . . وہ صحیح معنوں میں ایک عظیم عارف ہیں جو شفاف و پاکیزہ روح کے حامل اور مادے سے بری ہیں۔ . . . وہ ایک ایسے پہلو دار عظیم انسان ہیں جو منتشر نہیں بلکہ اپنی ذات میں مجتمع اور ایک ایسے مسلمان ہیں جو صرف ایک ہی طرف اور ایک ہی پہلو پر نہیں رہے یعنی وہ پورے طور پر ایک مردِ مسلمان ہیں . . . اقبال ایک عظیم اور گراں مایہ شخصیت ہیں۔

. . . اقبال ایک فن کار اور اپنے زمانے اور معاشرے کا ذمہ دار، فرض شناس اور معتبر شاعر ہے، لیکن ان معنوں میں نہیں کہ وہ چند سطحی، سیاسی و اخباری اور اسی قسم کے گھٹیا نعروں سے اپنی ادبی و فنی تخلیق اور اپنے فکر و احساس کی سطح کو نیچے لے آئے۔ اقبال کے معاملے میں فنی فرض شناسی کا مسئلہ روزمرہ کے سیاسی مسائل تک محدود نہیں ہے بلکہ ایک وسیع اور عمیق فکری و انسانی فرض ہے جس کے لازمی اور قطعی لوازم میں سے ایک استعمار دشمن ہونے کا مسئلہ ہے۔"

———